مذہب کے اعلام و مشاہیر

- ★ ———— اقبال رسالتؐ مآب میں
- ★ ———— اقبال اور میر سید علی ہمدانی
- ★ ———— اقبال اور مولانا انور شاہ کشمیری
- ★ ———— اقبال اور گورو نانک

علامہ اقبال حضور رسالت مآب میں

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر علامہ نے اپنے کلام میں نہایت ہی عقیدت اور احترام کے ساتھ کیا ہے ۔ اپنے کلام میں علامہ نے اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات کے ساتھ ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی زندگی کو کامیاب بنا سکتی ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ انسان کے لئے بہترین شمع ہدایت ہے ۔ اقبال کی پوری شاعری اپنے ارتقاء کے ہر دور میں اسی شمع کے اجالے سے روشن ہے ۔

اقبال کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے جو والہانہ عشق ہے، اس کا اظہار ان کی اردو اور فارسی شاعری کے ہر دور میں ہوتا رہا ہے ۔ اردو میں "بانگ درا" اور "ارمغان حجاز" تک اور فارسی میں "اسرار رموز" سے "پس چہ باید کرد" اور "ارمغان حجاز" کے حصہ فارسی تک کوئی مجموعہ کلام ایسا نہیں جہاں اس عشق کا جلوہ نظر نہ آتا ہو ۔ اس جلوے کے انداز اور رنگ البتہ ہر جگہ ایک سے نہیں ۔(۱)

حضرت علامہ کے کلام بالخصوص فارسی کلام پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہی اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ ذات رسالت مآب سے عشق کی جو چاشنی، جذبات کی جدت اور فراوانی ان کے یہاں ملتی ہے دوسروں کے ہاں کم ملے گی ۔ حضرت علامہ کے کلام میں گہرائی بھی ہے اور اثر آفرینی بھی ۔ ان کے اشعار کا ہر لفظ قاری کے دل میں اترتا محسوس ہوتا ہے ۔(۲)۔

علامہ اقبال نے شروع سے ہی دینی ماحول میں پرورش پائی ان کے والدین متقی، خدا ترس اور دین دار تھے ۔ والدین کے علاوہ علامہ اقبال کو نیک اور مذہب پرست اساتذہ ملے ۔ جنہوں نے علامہ کی پرورش دینی ماحول میں کی ۔ علامہ کی اس دینی تربیت میں ان کے ماحول والدین اور اساتذہ کا خاص عمل دخل رہا ۔ عربی، فارسی اور قرآنی تعلیمات علامہ کو گھر کے علاوہ

---

۱ سید وقار عظیم اقبالیات کا مطالعہ ص ۲۱۶

۲ جمیلہ شوکت علامہ اقبال اور حب رسول، المعارف نومبر ۷۷ شمارہ ۱۱، ص ۴

اساتذہ سے حاصل ہوئیں ۔ علامہ کے والدین نیک سیرت اور دیندار تھے ۔ انہوں نے علامہ اقبال کی صحیح تربیت بچپن سے ہی شروع کی ۔ ایک واقعہ ملاحظہ ہو :

اقبال ابھی چوتھی جماعت میں پڑھتے تھے کہ ایک دن ان کے والد صبح سویرے مولوی میر حسن صاحب کے ہاں پہنچے اور کہنے لگے "مولوی صاحب ! میں سوچتا ہوں اقبال آخر انگریزی کی تعلیم پا کر کیا کرے گا ! اسے مذہب کی تعلیم کیوں نہ دی جائے جس سے اس کی عاقبت سدھر جائے اور دل میں قوم کی خدمت کا جذبہ پیدا ہو ۔ میرے خیال میں یہی اچھا ہے کہ اقبال اسکول جانے کے بجائے مسجد میں آپ سے دینیات پڑھ لیا کرے ۔"(۱)

اپنے والد کا ذکر کرتے ہوئے علامہ ایک جگہ لکھتے ہیں :

"۔۔۔۔۔ ایک صبح کو جب میں حسب معمول قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا وہ میرے پاس آئے اور فرمایا ۔ بیٹا کہنا یہ تھا کہ جب تم قرآن پڑھو تو یہ سمجھو کہ یہ قرآن کریم تم پر اترتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ خود تم سے ہم کلام ہے ۔"(۲)

والدین کی اس صحیح تربیت اور احسان کا اعتراف علامہ اقبال نے اپنی شاعری میں بھی کیا ہے

پھر آر کھوں قدم مادر و پدر پہ جبیں کیا جنہوں نے محبت کا راز داں مجھکو (۳)

نظم "والدہ مرحوم کی یاد میں" میں علامہ لکھتے ہیں :

دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات

تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا کھر مرے اجداد کا سرمایہ ، عزت ہوا (۴)

والدین کے علاوہ علامہ اقبال کو استاد سید میر حسن کی تربیت بھی نصیب ہوئی جنہوں نے علامہ کو فارسی ، عربی ، قرآن کریم اور دینیات کی تعلیم سے مستفید کیا ۔ چنانچہ علامہ نے اس بات کا ذکر "التجائے مسافر" والی نظم میں یوں کیا ہے :

---

۱ سید عبدالرشید اقبال اور عشق رسول ـــ ص ۱۴ بحوالہ حیات اقبال ـــ ص ۱۲

۲ عبدالسلام ندوی اقبال کامل ص ۴

۳ کلیات اقبال (اردو) ص ۹۷

۴ ایضاً ص ۲۲۹

وہ شمع بار کہہ خاندان مرتضوی رہے گا مثل حرم جس کا آستان مجھکو
نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھکو
دعا یہ ہے کہ خداوند آسمان و زمین کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھکو(۱)

علامہ اقبال نے مختلف مغربی اور مشرقی شعراء ادیبوں اور دیگر بلند پایہ شخصیات سے بھی فائدہ اٹھایا اور ان سے متاثر بھی ہوئے۔ علامہ نے یورپ کے سفر کے دوران مختلف علوم سے فائدہ اٹھایا مگر اسلام کے مقابلے میں دیگر ادیان اور فلسفے ہیچ نظر آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انقلابی شخصیت کے سامنے بڑے بڑے انقلابی اور فلاسفہ نہ ٹھہر سکے۔ علاوہ فلسفہ اور عصری علوم کو دردسر قرار دیتے ہیں اور بہ بانگ دہل اعلان کرتے ہیں کہ انہیں ان علوم سے کچھ نہ ملا۔ دین و دنیا کی فلاح و کامرانی والدین کی صحبت اور مرشدان کامل کی معیت ہی میں حاصل ہوئی۔

مرا درس حکیماں دردسر داد کہ من پروردہء فیض نگاہم (۲)

علامہ اقبال ایک اور جگہ اس طرح بیان کرتے ہیں :

مے از میخانہ مخرب چشیدم بجان من کہ دردسر خریدم
نشستم بانگویان فرنگی ازاں بے سود تر روزے ندیدم (۳)

یورپ کی مادہ پرست دنیا نے اقبال کے تصور و رسالت کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا بلکہ وہاں بھی علامہ اقبال نے اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنایا اور قرآنی تعلیمات کا بغور مطالعہ کیا اور یہاں ان کا تصور دین زیادہ مستحکم ہو گیا اور خود فرمایا کہ یورپ کی آب و ہوا نے مجھے مسلمان کر دیا۔ (۴)

اس بات کا اعتراف علامہ اقبال کی نظم "سر عبدالقادر کے نام" میں ملتا ہے۔ علامہ اقبال قوم کی خدمات کا بیڑا اٹھانے کی کوشش یورپ سے ہی شروع کرتے ہیں اور سر

---

۱ کلیات اقبال (اردو) ص ۹۷
۲ جمیلہ شوکت اقبال اور حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم، المعارف نومبر ۷۷ء، ص ۶
۳ کلیات اقبال (فارسی) ص ۹۲۹
۴ بشیر احمد ڈار انوار اقبال ص ۱۷۶

عبدالقادر "مدیر مخزن" کو بھی اس کام کے لئے تیار کرتے ہیں تا کہ دونوں مل کر قوم کی خدمات میں ہی زندگی کو صرف کریں، زندگی بسر کرنے کے لئے علامہ لوگوں کے دلوں میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ پیدا کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اور صرف اسی جذبے سے ہی قوم دنیا میں عظیم مقام پیدا کر سکتی ہے۔

اہل محفل کو دکھا دیں اثر صیقل عشق — سنگ امروز کو آئینہ فردا کر دیں
جلوہ یوسف گم گشتہ دکھا کر ان کو — تپش آمادہ تر از خون زلیخا کر دیں
شمع کی طرح جئیں بزم کہ عالم میں — خود جلیں دیدہء اغیار کو بینا کر دیں(۱)

علامہ اقبال نے اپنی مثنویوں "اسرار خودی" اور "رموز بے خودی" میں صحیح اسلام کا تصور پیش کیا ہے۔

علامہ اقبال نے ان دونوں مثنویوں میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ صاف ظاہر ہے۔ ایک خط میں علامہ مثنوی اسرار خودی اور رموز بے خودی کا ذکر یوں کرتے ہیں:

یہ خط ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو لکھا ہے

"ہندوستان کے مسلمان کئی صدیوں سے ایرانی تاثرات کے اثر میں ہیں۔ ان کو عربی اسلام سے اور اس کے نصب العین اور غرض و غایت سے آشنائی نہیں۔ ان کے لٹریری آئیڈیل بھی ایرانی ہیں اور سوشل نصب العین بھی ایرانی۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مثنوی میں حقیقی اسلام کو بے نقاب کروں جس کی اشاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے ہوئی۔ صوفی لوگوں نے اسے تصوف پر ایک حملہ تصور کیا ہے اور یہ خیال کسی حد تک درست بھی ہے۔ انشاءاللہ دوسرے حصے میں دکھاؤں گا کہ تصوف کیا ہے اور کہاں سے آیا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگی سے کہاں تک ان تعلیمات کی تصدیق ہوتی ہے جس کا تصوف حامی ہے۔"(۲)

علامہ اقبال نے ان دونوں مثنویوں میں بڑے احترام سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

۱ کلیات اقبال (اردو) ص

۲ مکتوبات مکاتیب اقبال بنام مظفر حسین برنی جلد اول ص ۱۵۱

خدمت میں خراج عقیدت یوں پیش کیا ہے ۔ "اسرار خودی" کے مندرجہ ذیل اشعار میں کہتے ہیں :

در دل مومن مقام مصطفیٰ است — آبروئے ماز نام مصطفیٰ است
طور موجے از غبار خانہ اش — کعبہ را بیت الحرم کاشانہ اش
کمتر از آنے زاد قاتش ابد — کاسب افزایش از ذاتش ابد
بوریا ممنون خواب راحتش — تاج کسریٰ زیر پائے امتش
در شبستان حرا خلوت گزید — قوم و آئین وحکومت آفرید (۱)

رموز بے خودی میں لکھتے ہیں :

حق تعالیٰ پیکر ما آفرید — وزرسالت در تن ماجاں دمید
حرف بے صوت اندریں عالم بدیم — از رسالت مصرع موزوں شدیم
از رسالت در جہاں تکوین ما — از رسالت دین ، ما آئین ما
از رسالت صد ہزار مایک است — جزو ما از جزو مالا ینفک است
آنکہ شان اوست یہتدی من یرید — از رسالت حلقہ گرد ما کشید (۲)

"پیام مشرق" میں علامہ نے اپنے اشعار کے ذریعے عقیدت کا اظہار یوں کیا ہے :

تنم گلے ز خیابان جنت کشمر
دل از حریم حجاز و نواز شیراز است

یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں علامہ اس طرح عرض کرتے ہیں :

با خدا در پردہ گویم با تو گویم آشکار
یارسول اللہ او پنہاں و تو پیدائے من

اسی کتاب کی نظم "خطاب بہ مصطفیٰ کمال پاشا" میں کہتے ہیں :

امئے بود کہ ماز اثر حکمت او
واقف از سر نہاں خانہء تقدیر شدیم

---

۱ کلیات اقبال فارسی (اسرار خودی) ص ۱۵
۲ ایضاً (رموز بے خودی) ص ۹۲

اصل مایک شرر باختہ رنگے بودہ است
نظر سے کرد کہ خورشید جہانگیر شدیم(۱)

"جاوید نامہ" میں بھی علامہ اقبال نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور عقیدت یوں پیش کیا ہے :

مصطفیٰ اندر حرا خلوت گزید — مدتے جز خویشتن کس را ندید
نقش ما را در دل او ریختند — ملتے از خلوتش انگیختند
می توانی منکر یزدان شدن — منکر از شان نبی نتوان شدن (۲)

"مثنوی مسافر" کے فصل چہار دہم "درحضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم" میں یوں عرض کرتے ہیں :

اے تو ما بیچارگاں را ساز و برگ — وا رہاں ایں قوم را از ترس مرگ
سوختی لات و منات کہنہ را — تازہ کردی کائنات کہنہ را
در جہاں ذکر و فکر انس و جاں — تو صلوات صبح، تو بانگ اذاں
اے مقام و منزل ہر راہرو — جذب تو اندر دل ہر راہرو
ساز ما بے صوت گردید آنچنان — زخمہ ہر رگہائے او آید گران
در عجم گر دیدم و ہم در عرب — مصطفیٰ نایاب و ارزاں بولہب
ایں مسلماں زادۂ روشن دماغ — ظلمت آباد ضمیرش بے چراغ
در جوانی نرم و نازک چوں حریر — آرزو در سینۂ او زود میر (۳)

"زبور عجم" ۱۹۲۶ء میں مکمل ہوئی اور دوسرے سال شائع ہوئی اس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور عین حضرت امام حسین علیہ السلام کی حیات طیبہ سے جوش عمل حاصل کرنا چاہتے ہیں، لکھتے ہیں :

ریگ عراق منتظر، کشت حجاز تشنہ کام — خون حسین باز دہ کوفہ و شام خویش را

---

۱ کلیات اقبال (فارسی) (پیام مشرق) ص ۱۰۷
۲ ایضاً (حصہ جاوید نامہ) ص ۶۳
۳ کلیات اقبال فارسی حصہ مثنوی مسافر ص ۶۷

ایک اور جگہ یوں بھی عرض کرتے ہیں :

حکمت و فلسفہ کردہ ست گراں خیز مرا
خضر من از سر م ایں باد گراں بیا ک انداز

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت بڑی مصلحت رکھتی ہے۔

مصطفیٰ از کعبہ ہجرت کردہ بام الکتاب

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سیرت مبارکہ ہے جس سے "بے ہمہ" اور "باہمہ" کا درس ملتا ہے

زندگی انجمن آرا و نگہدار خود است
اے کہ در قافلہء بے ہمہ شو باہمہ (۱)

کلام اقبال کے اردو حصے میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہایت عقیدت اور احترام کے ساتھ ملتا ہے۔ "بانگ درا" میں علامہ نے بہت سی نظموں میں اس کا ثبوت پیش کیا ہے۔ ان میں بلاد اسلامیہ، ایک حاجی مدینے کے راستے، حضرت بلال، حضرت ابو بکر صدیق، ترانہ ملی وطنیت، خطاب بہ جوانان اسلام اور خاص کر نظم، حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں۔

نظم "حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم" میں علامہ یوں عرض کرتے ہیں :

گراں مجھ پہ یہ ہنگامہ و زمانہ ہوا — جہاں سے باندھ کے رخت سفر روانہ ہوا
قیود شام و سحر میں بسر تو کی لیکن — نظام کہنہء عالم سے آشنا ہوا

فرشتے بزم رسالت یں لے گئے مجھکو
حضور آیہء رحمت میں لے گئے مجھکو

کہا حضور نے اے عندلیب باغ حجاز — کلی کلی ہے تیری گرمی نوا سے گداز
ہمیشہ سر خوش جام ولا ہے دل تیرا — فتادگی ہے تیری غیرت سجود نیاز
اڑا جو پستی دنیا سے تو سوے گردوں — سکھائی تجھ کو ملائک نے رفعت پرواز

---

۱ غلام مصطفیٰ خان — علامہ اقبال — بارگاہ رسالت مآب میں مشمولہ
تغیر اقبال ـــ مرتبہ بہار الہ آبادی ـــ ص ۴۷

نکل کے باغ جہاں سے برنگ بو آیا
ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا؟

حضور ! دہر میں آسودگی نہیں ملتی — تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاض ہستی میں — وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں — جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا لہو اس میں (۱)

یہ نظم ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۱ء کو شاہی مسجد لاہور میں مسلمانوں کے مجمع عام کے سامنے پڑھی گئی۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۱۱ء کو زمیندار ۱ اکتوبر ۱۹۱۱ء کے مخزن اور نومبر ۱۹۱۱ء کے کشمیری میگزین میں شائع ہوئی نظر ثانی میں پہلے بند کا تیسرا شعر کاٹ دیا گیا جو یہ تھا

ہوا رفیق اجل اشتیاق آزادی
سمند عمر کو اک اور تازیانہ ہوا (۲)

"بانگ درا" کی نظم "جواب شکوہ" میں لکھتے ہیں :

کون ہے تاریک آئین رسول مختار — مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار
کس کی آنکھوں میں سمایا شعار اغیار — ہو گئی کس کی نگہ طرز سلف سے بیزار

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

اسی نظم کے آخری شعر میں کہتے ہیں :

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح قلم تیرے ہیں (۳)

ایک اور جگہ یہ شعر ملتا ہے :

---

۱ محمد اقبال (بانگ درا) کلیات اقبال (اردو) ص ۱۹۷
۲ باقیات اقبال ص ۳۶۵
۳ کلیات اقبال (اردو) ص ۲۰۲، ۲۰۸

اے باد صبا کملی والے سے جا کہیو یہ پیغام مرا
قبضے سے امت بیچاری کی دین بھی گیا دنیا بھی گئی

یہ عقیدت ہر مقام پر ملتی ہے بال جبریل میں مندرجہ ذیل اشعار ملتے ہیں :

محمدؐ بھی تیرا جبریل بھی قرآن بھی تیرا
مگر یہ حرف شیریں ترجمان تیرا ہے یا میرا (۱)

وہ دانائے سبل، ختم رسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآن وہی فرقان وہی یسین وہی طاہا

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

عشق دم جبرئیل عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کا رسول عشق خدا کا کلام (۲)

علامہ خدا کے ساتھ تو شوخیاں روا رکھتے ہیں اور یہاں تک کہہ دیتے ہیں

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

لیکن حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں خودی سرنگوں نظر آتی ہے اور علامہ عجز و انکسار کا پتلا بنے نظر آتے ہیں کیونکہ ان کا تو عقیدہ یہ تھا

می توانی منکر یزداں شدن منکر از شان نبی نتوان شدن

---

۱ کلیات اقبال ص ۲۹۸
۲ کلیات اقبال (اردو) ص ۳۱۶، ۳۱۹، ۳۸۶

بمصطفی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی ایں تمام بولہبی است" (۱)

"ضرب کلیم" کی ایک نظم "ایک فلسفہ زدہ سید زادے کے نام" میں لکھتے ہیں :

دل در سخن محمدی بند اے پور علی زبو علی چند
چوں دیدہء راہ بین نہ داری قائد قرشی بہ از بخاری" (کلیات اقبال، ص ۴۸۱)

"ضرب کلیم" ہی کی ایک نظم "اے روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم

شیرازہ ہوا ملت مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے !
وہ لذت آشوب نہیں بحر عرب میں
پوشیدہ جو ہے مجھ میں وہ طوفان کدھر جائے
ہر چند ہے بے قافلہ و راحلہ و زار
اس کوہ و بیاباں سے حدی خواں کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کر اے روح محمدؐ
آیات الٰہی کا نگہبان کدھر جائے (کلیات اقبال ص ۵۱۰)

نظم "شفاخانہ حجاز" "بانگ درا" میں علامہ اقبال عرض کرتے ہیں

اوروں کو دیں حضور یہ پیغام زندگی
میں موت ڈھونڈتا ہوں زمین حجاز میں (کلیات اقبال ص ۱۹۸)

ارمغان حجاز میں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے جو فصل شروع ہوتی ہے اس کا آغاز عزت بخاری کے اس شعر سے ہوتا ہے۔

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا (۲)

---

۱ سید افتخار حسین شاہ اقبال پیروی شبلی ص ۱۳۰
۲ ڈاکٹر مصطفے خان علامہ اقبال بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ـــ مشمولہ تفسیر اقبال مرتب بہار الہ آبادی ص ۸۳

اس فصل کے کچھ اشعار یوں ہیں :

جہاں از عشق و عشق از سینۂ تست | سروش از می دیرینہ تست
جزایں چیزی نمی دانم ز جبرئیل | کہ او یک جوہر از آئینہ تست
بچشم من نگہ آوردہء تست | فروغ لا الہ آوردہء تست
دو چارم کن بہ صبح من رآنی | شبم را تاب مہ آوردہء تست
جبیں را پیش غیر اللہ سودیم | چہ گبراں در حضور او سرودیم
نالم از کسے می نالم از خویش | کہ ما شایان شان تو نبودیم
مرا ایں سوز از فیض دم تست | سر درش از می دیرینہ تست
خجل ملک جسم از درویشی من | کہ دل در سینہء من محرم تست
در آں دریا کہ او را ساحلی نیست | دلیل عاشقان غیر از ولی نیست
تو فرمودی رہ بطحا گرفتیم | و گر نہ جز تو مارا منزلے نیست
بگوئے تو گداز یک نوابس | مرا ابن ابتداء این انتہا بس
خراب جرات این رندپا کم | خدا را گفت : مارا مصطفیٰ بس (۱)

کلام اقبال کے اردو اور فارسی دونوں حصوں میں عشق رسول کا جذبہ نہایت ہی عقیدت اور خلوص کے ساتھ نمایاں ہے ۔علامہ اقبال اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے فقیر سید وحید الدین لکھتے ہیں :

" ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کی سیرت اور زندگی کا سب سے زیادہ ممتاز محبوب اور قابل قدر وصف جذبہء عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۔ذات رسالت مآب کے ساتھ انہیں جو والہانہ عقیدت تھی اس کا اظہار ان کی چشم نمناک اور دیدہء تر سے ہوتا تھا کہ جہاں کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ان کے سامنے لیا ۔ان پر جذبات کی شدت اور رقت طاری ہو گئی اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو گئے ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آتے ہی اور ان کا ذکر چھیڑتے ہی اقبال بے قابو ہو جائے ----------
عشق رسول ڈاکٹر اقبال کے رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا اور ان کے ذہن و فکر پر

---

۱ کلیات اقبال فارسی حصہ (ارمغان حجاز بحضور رسالت مآب) ص ۲۲ تا ۴۹

چھا گیا تھا' وہ کتنے بڑے فلسفی تھے اور فلسفہ کا سارا معاملہ عقل کے بل بوتے پر چلتا ہے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو وہ عقل کی کسوٹی پر جانچنے کی جرات نہ کرتے تھے۔ اس معاملہ میں وہ ایمان بالغیب کے قائل تھے۔ بس جو حضور نے فرمایا وہ دین و ایمان اور سر آنکھوں پر! اس بارگاہ میں چون و چرا کی گنجائش ہی نہیں' سمعنا و اطعنا اطاعت فرمانبرداری اور غلامی' یہی ایمان کی دلیل بلکہ بنیاد ہے۔

بہ مصطفے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

اقبال کی شاعری کا خلاصہ جوہر اولب لباب عشق رسول اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے میں نے ڈاکٹر صاحب کے صحبتوں میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جو مناظر دیکھے ہیں' ان کا لفظوں میں پوری طرح اظہار بہت مشکل ہے وہ کیفیتیں بس محسوس کرنے کی تھیں' جب یہ مقدس ذکر چھڑ ہی گیا ہے تو جی چاہتا ہے کہ ایک واقعہ بیان کر ہی دوں۔

ایک دن سیرت نبوی پر گفتگو ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے خاص انداز میں ایک واقعہ سنایا ــــ فرماتے لگے۔

ایک معرکہ میں مسلمان سپہ سالار کا گھوڑا زخمی ہو گیا' زخموں کی یہ حالت تھی کہ گھوڑے کا میدان کارزار میں کھڑا رہنا دشوار تھا۔ وہ بیٹھنا چاہتا تھا۔ دوسری طرف کافر یلغار کرتے ہوئے چلے آرہے تھے۔ اس عالم میں امیرالعسکر نے گھوڑے کو مخاطب کر کے کہا اگر تم نے اس نازک وقت میں میرا ساتھ چھوڑ دیا تو اس جہان فانی سے رخصت ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہاری شکایت کروں گا۔

یہ واقعہ بیان کر کے ڈاکٹر صاحب زار و قطار رونے لگے اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ اس واقعہ سے سپہ سالار کے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ (۱)

---

۱ فقیر سید وحید الدین روز گار فقیر حصہ اول ــــ ص ۹۶ - ۹۴

علامہ اقبال اور میر سید علی ہمدانی

شاہ ہمدان کا پورا نام میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ ہے ۔ امیر کبیر، علی الثانی اور شاہ ہمدان ان کے معروف القاب ہیں ۔ آپ آخری لقب سے ہی کشمیر اور برصغیر میں زیادہ مشہور ہیں ۔ اقبال نے "امیر کبیر" کو ایک جگہ نام کے ساتھ لکھا ہے اور باقی ہر جگہ "شاہ ہمدان" کے لقب سے ہی انکو یاد کیا ہے ۔ آپ کی ولادت کے بارے میں ڈاکٹر محمد ریاض لکھتے ہیں :

"آپ کی ۱۲ رجب ۷۱۴ ھ مطابق ۲۱ اکتوبر ۱۳۱۴ء) کو ہمدان میں ہوئی ۔ آپ حسینی سید تھے اور ہمدان میں آپ کے خاندان کو بڑا اقتدار حاصل تھا ۔ آپ کے والد سید شہاب الدین ہمدان کے حاکم تھے اور سمنان کے حاکم (اور بعد میں وادی عرفان کے معروف عارف) سید علاؤالدین سمنانی وفات (۷۳۶ ہجری) ان کے ماموں اور مربی تھے ۔ شاہ صاحب نے پہلے قرآن مجید حفظ کیا پھر مروجہ علوم دین میں تجر حاصل کیا ۔ علوم معقول اور منقول میں بھی آپ نے دسترس حاصل کی ۔ ۱۲ برس کی عمر سے ہی وادی سلوک میں قدم رکھا ۔ اخی علی دوستی (وفات ۷۳۲ یا ۷۳۴) اور شیخ محمود مزدقانی (وفات ۷۶۶ ھ) سے روحانی اور باطنی فیض حاصل کیا ۔ شاہ صاحب کا تعلق سہروردیہ کی ایک شاخ کبرویہ سے ہے جن کا سلسلہ شیخ نجم الدین الکبری (وفات ۶۱۸ ھ) سے جاملتا ہے ۔" (۱)

تاریخ کشمیر میں آپ کی ولادت یوں لکھی گئی ہے :

حضرت امیر کی ولادت ۱۲ ماہ رجب ۷۱۴ ھ ہمدان میں سوموار کو ہوئی ۔ (۲)

آپ کی ولادت کے بارے میں اعجاز الحق قدسی لکھتے ہیں :

"حضرت سید علی ہمدانی ۱۲ رجب روز دوشنبہ ۷۱۴ھ/۱۳۱۴ء کو بی بی فاطمہ کے بطن سے ہمدان میں پیدا ہوئے ۔ رحمۃ اللہ سے آپ کی تاریخ ولادت نکلتی ہے ۔ خلاصہ المناقب

---

۱ ڈاکٹر محمد ریاض اقبال اور شاہ ہمدان اقبال ریویو جنوری ۱۹۶۹ء، ص ۶۹

۲ تذکرہ اولیائے کشمیر تاریخ حسن کا تیسرا حصہ ص ۱۱

میں ہے کہ آپ کا سلسلہ نسب ۱۶ واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے۔ حضرت علاؤ الدین سمنانی آپ کے چچا تھے۔ سید علی ہمدانی شاگرد اور مرید شیخ ابوالبرکات تقی الدین علی دوستی کے تھے۔ ان کی وفات کے بعد آپ نے شیخ شرف الدین محمود مذدقانی سے بیعت کی تھی۔(۱)

میر سید علی ہمدانی کے والد ہمدان کے گورنر تھے۔ میر سید علی ہمدانی نے اپنے والد کے منصب سے کوئی دلچسپی نہ دکھائی۔ بچپن میں ہی قرآن حفظ کرلیا۔ اپنی قابلیت، ذاتی تدبر، آہنی ارادوں، حکمت عملی، فراخ دلی اور دور بینی کی وجہ سے آپ نے ابتداء ہی سے ایک اعلیٰ مقام حاصل کرلیا۔ آپ نے سارا وقت دین اسلام کی اشاعت، تبلیغ اور خدمت میں گزارا۔ اس سلسلے میں آپ نے بہت سے ممالک کا سفر کیا۔ جن میں کشمیر بھی شامل ہے۔ کشمیر میں آپ کو اسلامی خدمات کے پیش نظر ایک بلند مقام حاصل ہے۔ اگرچہ کشمیر میں شاہ ہمدان سے پہلے بھی حضرت بلبل شاہ نے دین اسلام کی روشنی پھیلا دی تھی مگر شاہ ہمدان نے کشمیر میں آکر ایک انقلاب پیدا کردیا اور اسلام کی ایک ایسی ساخت قائم کردی جو آج تک موجود ہے۔ کشمیر میں انکی وجہ سے تقریباً ۳۷۰۰۰ لوگ مشرف بہ اسلام ہوگئے۔

امیر کبیر میر سید علی ہمدانی نے تین بار کشمیر کا سفر کیا۔ پہلا سفر آپ نے سات سو سادات کے ساتھ سلطان شہاب الدین کے عہد میں ۷۷۴ھ بمطابق ۷۳-۱۳۷۲ء میں کیا۔ اس دور میں آپ نے غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دی۔ اس وقت تقریباً ۳۷۰۰۰ لوگ مسلمان ہوگئے۔

آپ کے دوسرے سفر کے بارے میں اعجاز الحق قدوسی لکھتے ہیں: "حضرت علی ہمدانی قطب الدین کے زمانے میں ۷۸۱ھ مطابق ۱۳۸۰ء میں کشمیر جنت بے نظیر تشریف لائے۔ آپ کی کشمیر میں تشریف آوری کی تاریخ نکلتی ہے

مقدم شریف او

۷۸۱ھ (۲)

---

۱ اعجاز الحق قدسی اقبال کے محبوب صوفیاء ص ۳۲۴

۲ ایضاً ص ۳۱۰

شاہ ہمدان کے دوسرے سفر کے بارے میں تاریخ حسن میں لکھا گیا ہے کہ آپ ماہ ربیع الاول ۷۷۴ھ میں شہاب الدین پورہ میں قیام پزیر ہوگئے ۔ سید محمد خاوری نے کشمیر میں وارد ہونے کی تاریخ لکھی

میر سید علی ہمدانی شہ ہمدان　　سیر اقلیم شعبہ کردہ نکو
شد مشرف زمقدس کشمیر　　اہل آں شد از وہدایت جو
سال تاریخ مقدم او را　　گفتم از مقدمہ شریف بجو (۱)

دوسرے دورمیں خاص کام مسجدیں تعمیر کرانا اور بدعات کا خاتمہ کرانا تھا اور اہل اسلام کو پکے دیندار بنانا تھا۔

تیسرا اور آخری مرحلہ دعوت اسلامی کی تکمیلی مرحلہ تھا۔ اس وقت امیر کبیر کشمیر کی بدلی ہوئی صورتحال کا جائزہ لینے کے لئے آئے تھے ۔ اس وقت آپ کی تعلیم و تربیت سے کافی لوگ متاثر ہوئے ۔ آپ نے لوگوں کی صحیح تعلیم اور تربیت فرمائی ۔

تیسرا اور آخری دورہ کرنے کے بعد امیر کبیر میر سید علی ہمدانی انتقال راستے میں وطن واپس جاتے ہوئے ہوا ۔ مختلف بدظن اشخاص کے دلوں میں آپ کے کارناموں کی وجہ سے حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور آپ کو زہر دلانے کی سازش کی گئی ۔ اگرچہ زہر سے شاہ ہمدان کی موت واقع نہ ہوئی مگر صحت پر کافی برا اثر ہوا۔ اور آخر کار ۷۲ سال کے سن میں ۶ ذی الحجہ ۷۸۶ھ کو بسم اللہ شریف کا ورد کرتے کرتے عالم بالا کو پرواز کر گئے ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ہی آپ کی تاریخ وفات ماخوذ ہے ۔(۲) وہاں سے آپ کی نعش کو ختلان (لولاب) لے جایا گیا جہاں آپ مدفون ہوئے ۔ پاکھلی میں جہاں آپ نے وفات پائی تھی ایک خوبصورت اور شاندار خانقاہ تعمیر کی گئی جو اب تک موجود ہے ۔(۳)

شیخ محمد بسواشی نے جو اپنے وقت کے صالحین اور بلند پایہ شعراء میں تھے، آپ کی تاریخ

۱　تذکرہ اولیائے کشمیر　تاریخ حسن کا تیسرا حصہ　ص ۱۱

۲　محمد طیب صدیقی　حضرت میر سید علی ہمدانی　مشاہیر نمبر ہمارا ادب ۷۷ - ۱۹۷۶ء
کلچرل اکاڈمی سرینگر　ص ۱۵۹

۳　ڈاکٹر محمد ریاض　اقبال اور شاہ ہمدان اقبال ریویو ۱۹۶۹ء ــــ ص ۱۷

وفات یوں نکالی ہے :

عقل تاریخ سال رحلت او
سید ما علی ثانی گفت

---

(۱) ۷۸۶

خانقاہ معلیٰ جو کشمیر کے سرینگر میں واقع ہے ۔ اسلامی تاریخ میں اہمیت کی حامل ہے ۔ میر سید علی یہاں عبادت کرتے تھے اور نماز پڑھاتے تھے اس کے علاوہ وعظ و تبلیغ فرماتے تھے ۔ مسلمانوں کے علاوہ ہندوں بھی اس جگہ کا احترام کرتے ہیں ۔ اس مقام کا نام علاؤالدین پورہ ہے جہاں سید صاحب پہلی بار تشریف فرما ہوئے تھے ۔ ۷۹۸ھ مطابق ۱۳۹۵ء میں ان کے صاحبزادے میر سید محمد ہمدانی نے اس کو تعمیر کرایا تھا ۔

کشمیر آنے سے پہلے ہی شاہ ہمدان نے اپنے مشن کو کامیاب بنانے اور کشمیر کی تاریکی کو اجالے میں تبدیل کرنے کا خاص طریقہ اختیار کیا ۔ اس سلسلے کی ایک کڑی یہ تھی کہ انہوں نے کچھ رفقاء کو قاصد بنا کر کشمیر روانہ کیا ۔ جن میں سید حسین سمنانی جو شاہ ہمدان کے چچا تھے اور سید تاج الدین کے علاوہ سید حسین بہادر بھی شامل ہیں ۔ ان حضرات نے حالات کا مشاہدہ کیا اور اس کے بعد حضرت شاہ ہمدان نے کشمیر کا رخ کیا ۔ عام لوگوں کے علاوہ جو لوگ شاہ ہمدان کے ساتھ مل گئے ان میں امراء ، وزراء اور بادشاہ بھی شامل ہیں ۔ چنانچہ دوسری بار جب حضرت شاہ ہمدان کشمیر آئے اسوقت سلطان قطب الدین کشمیر کا بادشاہ تھا ۔ ان کا حال یہ تھا کہ محرمات شریعت سے پرہیز نہیں کرتا ۔ دو سگی بہنیں بیک وقت اس کے عقد میں تھیں ۔ جناب امیر رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق اس نے بڑی بہن کو مالامال کر کے طلاق دی اور دوسری بہن سودا کے ساتھ اسلامی شریعت کے مطابق از سر نو نکاح کیا ۔ اس کے بطن سے سلطان سکندر اور مہت خان تولد ہوئے ۔ یہ زمانہ اصلاحات کا زمانہ تھا ۔ (۲)

حضرت میر سید علی ہمدانی نے تمام مسجدوں میں اوراد فتحیہ پڑھنے کی اجازت دی ۔

---

۱ اعجاز الحق قدوسی اقبال کے محبوب صوفیاء ص ۳۲۱

۲ محمد طیب صدیقی ، حضرت میر سید علی ہمدانی ، ہمارا ادب مشاہیر نمبر کلچرل اکاڈمی ۷۷ء ، ص ۱۵۶

میر سید علی ہمدانی نے نہ صرف عملی طور طریقہ اپنا کر اپنا کام پایہء تکمیل تک پہنچایا بلکہ انہون نے علمی اور ادبی لحاظ سے بھی اسلام کی سربلندی کے لئے نہایت ہی عظیم کارنامے انجام دئے۔

انہوں نے ۱۷۵ کتابیں اور رسالے تصنیف فرمائے جو عربی اور فارسی ادب کے جوہر پارے اور شعریت، طریقت، معرفت اور حقیقت کے آئینہ دار ہیں۔ سب سے مشہور تصنیف اوراد فتحیہ ہے اس میں ایمان، عرفان، علم، توحید، مناجات اور استغفار کے تمام اجزاء موجود ہیں۔ اور اس کا جہری زمزمہ مسلمانوں کی روح کو تازہ کرتا ہے۔ (۱) ذخیرۃ الملوک فارسی میں ہے۔ یہ دس ابواب پر مشتمل ہے۔ ۱۳۲۱ھ میں امرتسر سے چھپی، ۱۸۲۵ء میں اس کتاب کا ترجمہ لیٹن LATIN میں E - F-C Rosenmucner نے کیا نیز فرانسیسی French میں اس کا ترجمہ C.Salnet نے کیا جو ۱۸۲۹ء میں چھپا۔ (۲)

(۲) رسالہ نوریہ (۳) رسالہ مکتوبات (۴) رسالہ در معرفت صورت و سیرت (۵) رسالہ در حقایق توبہ (۶) حل النصوص علی الفصوص : شرح فصوص الحکم (۷) شرح قصیدہ۔ خمریہ فارضیہ۔ (۸) رسالہ الاصطلاحات؛ در اصطلاحات تصوف ۔۔۔۔۔۔۔ رسالہ منہاج العارفین حضرت سید علی ہمدانی کے ارشادات عالیہ اور اقوال حکیمانہ کا گنجینہء گراں مایہ ہے۔ (۳) اسکے علاوہ چہل اسرار سے آپ کی شاعری کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

میر سید علی ہمدانی ایک جامع شخصیت کے مالک تھے۔ آپ بیک وقت مقرر، مفکر، فلسفی، ادیب، شاعر، علم منطق کے ماہر، نثر نگار مصنف، مفسر، محدث، فقیہہ بھی، مجتہد بھی خطوط نگار بھی اور مضمون نویس بھی تھے۔ روحانی مرشد، شریعت، طریقت اور حقیقت کے اسرار و رموز کے عالم کامل اس کے علاوہ سیاسی لیڈر بھی تھے۔ (۲) ان کی سیاحت کی بڑی جولاں گاہ اور سرگرمیوں کا مقام وادی کشمیر رہی ہے اور آپ کو بجاطور پر مرشد کشمیر The Apostle

---

۱ محمد طیب صدیقی ـــ حضرت میر سید علی ہمدانی ہمارا ادب مشاہیر نمبر کلچرل اکیڈمی سرینگر ۷۷۔ ۱۹۷۶ء ص ۱۵۶

۲ اعجاز الحق قدوسی اقبال کے محبوب صوفیاء ص ۳۲۷

۳ ایضاً

of Kashmir کہا جاتا ہے۔(۱)

علامہ اقبال نے جن بلند پایہ مذہبی شخصیات کا تذکرہ اپنی شاعری اور نثر میں کیا ہے ان میں میر سید علی ہمدانی کی عظمت کا اعتراف علامہ نے اپنے کلام میں کیا ہے۔ علامہ اقبال نے میر سید علی ہمدانی کا ذکر نہایت ہی عقیدت اور احترام کے ساتھ اپنی شاعری میں کیا ہے۔

چنانچہ جاوید نامہ (آنسوئے افلاک) میں غنی کاشمیری کے علاوہ میر سید علی ہمدانی کا ذکر ملتا ہے۔ یہاں علامہ مولانا رومی کی معیت میں جنت الفردوس میں پہنچتے ہیں اور وہاں امیر کبیر میر سید علی ہمدانی کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔ علامہ نے نہایت ہی فنکارانہ انداز سے دونوں عظیم المرتبت ہستیوں کا تذکرہ یوں کیا ہے :

شاعر رنگین نوا طاہر غنی — فقر او باطن غنی طاہر غنی
نغمہ می خواند آں مست مدام — در حضور سید والا مقام
سید السادات سالار عجم — دست او معمار تقدیر امم
تا غزالی درس اللہ ھو گرفت — ذکر و فکر از دود مان او گرفت
مرشد آں کشور مینو نظیر — میر و درویش و سلاطین را مشیر
خط را آں شاہ دریا آستین — داد علم و صنعت و تہذیب دیں
آفرید آں مرد ایران صغیر — باہنر ہائے غریب و دل پزیر

یک نگاہ او کشاید صد گرہ
خیز و تیرش را بدل را ہے بدہ (۲)

علامہ اقبال نے اس نظم میں شاہ ہمدان کا تذکرہ کرکے کشمیر اور کشمیریوں کی حالت کا تذکرہ کیا ہے چنانچہ علامہ کو اس وطن عزیز سے کافی لگاؤ تھا اس لئے انہوں نے شاہ ہمدان کے حضور میں آتے ہی مسئلہ خیر و شر، مسئلہ کشمیر اور مسئلہ روح بدن کا حل ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے۔ علامہ شاہ صاحب سے کہتے ہیں اگرچہ انسان کو نیکی کرنے کی تاکید کی گئی

---

۱ پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر حکمت — میر سید علی ہمدانی از ہمدان تا کشمیر
(ترجمہ و توضیحات ڈاکٹر ریاض) — المعارف دسمبر ۱۹۶۹ء ـــــ ص ۳

۲ کلیات اقبال فارسی (جاوید نامہ) — ص ۱۳۶

ہے ۔ تو پھر شیطان کو پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی جو اس چیز سے انسان کو روکتا ہے ۔ اس بات کا جواب دیتے ہوئے شاہ ہمدان کہتے ہیں کہ اپنی خودی کو مستحکم کرنے کے لئے شیطانی قوتوں سے لڑنا ضروری ہے تا کہ تیغ خودی کو زنگ نہ لگ جائے ۔

خویش را بر اہر من باید زدن　　　تو ہمہ تیغ آں ہمہ سنگ فسن
تیز تر شو تا فتد ضرب تو سخت　　　ور نہ باشی درد گیتی تیرہ بخت (۱)

میر سید علی ہمدانی اور اقبال کے اس سوال و جواب کے بارے میں ڈاکٹر محمد ریاض لکھتے ہیں :

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اقبال نے یہ سوال آخر شاہ صاحب سے ہی کیوں پوچھا ۔ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ شاہ صاحب کی زندگی شیطان اور اس کی قوتوں سے نبرد آزمائی کی امثلہ سے حیرت انگیز طور پر مملو ہے اور دور آخر کے بزرگان دین میں شاید وہ جہاد بالنفس اور جہاد بالانسان کا بہترین نمونہ ہیں ۔ ان کی بیشتر تصانیف بھی اس موضوع پر روشنی ڈالتی ہیں ۔"(۲)

اقبال اس کے بعد کشمیریوں کی حالت بے عملی، غلامی پسندی اور خود فراموشی کا ذکر کرتے ہیں ۔ پھر اس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے جس کے نتیجے میں وادی کشمیر کو انگریزوں نے صرف پچھتر لاکھ روپیہ میں مہاراجہ کو فروخت کیا تھا ۔ پروفیسر جگن ناتھ آزاد لکھتے ہیں :

" یہ ۱۹۳۱ء کی نظم ہے اور اقبال اس نظم کے ذریعے اس وقت کے مسئلہ کشمیر کو باد صبا کے ذریعے سے لیگ آف نیشنز (مجلس اقوام) تک پہنچاتے ہیں ۔ "شاعری جزویست از پیغمبری" کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہو گی کہ سولہ برس کے بعد یہ مسئلہ واقعی مجلس اقوام متحدہ (United Nations) میں پہنچا ہے ۔ دنیائے شاعری میں کوئی پیش گوئی کا قائل ہو یا نہ ہو لیکن اقبال کی شاعری میں اس قسم کی مثالیں دیکھ کر اس مصرعے

دیکھتا ہوں دوش کے آئینے میں فردا کو میں　　پر ایمان لائے بغیر چارہ نہیں ۔"(۳)

۱　کلیات اقبال فارسی (جاوید نامہ)　ص ۱۴۷

۲　ڈاکٹر محمد ریاض　اقبال اور شاہ ہمدان اقبال ریویو جنوری ۱۹۶۹ء ـــ ص ۷۷

۳　پروفیسر جگن ناتھ آزاد　شاہ ہمدان کے حضور میں　شیرازہ　اقبال نمبر　جلد ۱۶ شمارہ ۳،۴،۵ ـــ ۶۵ جموں و کشمیر کلچرل اکیڈمی سرینگر

اس نظم میں علامہ اقبال نے کشمیر کی حالت کا ذکر یوں کیا ہے :

باد صبا اگر بہ جینوا گزر کنی حرفے زما بہ مجلس اقوام باز گوے

دہقان و کشت و جوئے خیابان فروختند قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند (۱)

مذکورہ نظم میں شہاب الدین کا ذکر کر کے کشمیر کی گزشتہ عظمت کو بیان کیا گیا ہے۔

مسئلہ کشمیر کے بعد "مسئلہ روح و بدن" کا ذکر کیا گیا ہے۔ انسانی وجود کی خاطر اس مسئلہ کو ضروری قرار دیا گیا ہے اور یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ روح کی تربیت کے لئے بدن کو کافی محنت کرنی چاہیئے۔ علامہ اقبال نے واضح کر دیا ہے کہ جسم کے بجائے روح کی تربیت اور ترقی کی کوشش کرنی چاہیئے۔ خدا کی راہ میں جان دینے سے ہی روح ہمیشہ زندہ رہ سکتی ہے اور انسان ہمیشہ کی زندگی پالیتا ہے۔ روح کی بیداری سے ہی انسان کی تقدیر بدل سکتی ہے۔

تاز جان بگذشت، جانش جان اوست

در ز جانش یک دو دم مہمان اوست (۲)

آخر پر علامہ اقبال شاہ ہمدان سے ایک سوال کرتے ہیں کہ خراج کس پر جائز ہے اور تخت و تاج کی اصلیت کیا ہے :

ما فقیر و حکمراں خواہد خراج چیست اصل اعتبار تخت و تاج (۳)

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے شاہ ہمدان فرماتے ہیں :

فاش گویم با تو اے والا مقام

باج را جز بادو کس دادن حرام

یا اولی الامر ے کہ منکم شان اوست

آیہء حق حجت و برہان اوست

یا جواں مردے چو صرصر تند خیز

شہر گیر و خویش باز اندر ستیز

---

۱ کلیات اقبال فارسی (حصہ جاوید نامہ) ص ۱۵۰

۲ ایضاً ص ۱۵۱

۳ ایضاً ص ۱۵۱

روز کین کشور کشا از قاہری
روز صلح از شیوہ ہائے دلبری
می تواں ایران و ہندوستاں خرید
پادشاہی راز کس نتواں خرید
جام جم را اے جوان با ہنر
کس نگیرد از دکان شیشہ گر ۲
در بگیرد مال او جز شیشہ نیست
شیشہ را غیر از شکستن پیشہ نیست (۱)

غرض ان مسائل کا حل پیش کرکے علامہ اقبال نے شاہ ہمدان کے تئیں اپنی عقیدت اور احترام کا ذکر کیا ہے۔

---

۱ کلیات اقبال فارسی (حصہ جاوید نامہ) ص ۱۵۲

علامہ اقبال اور مولانا انور شاہ کاشمیری

وادیء کشمیر نے جن عظیم المرتبت شخصیات کو جنم دیا ہے۔ ان میں حضرت مولانا انور شاہ کاشمیری کو ایک اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ مولانا انور شاہ ۲۷ شوال المکرم ۱۲۹۲ھ بروز شنبہ بوقت صبح اپنے ننہال بمقام دودھواں (علاقہ لولاب) کشمیر میں پیدا ہوئے۔(۱) عبدالرحمان کوندو آپ کی پیدائش کے بارے میں لکھتے ہیں :

فخر المحدثین حضرت علامہ انور شاہ ۲۷ شوال المکرم ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۸۷۵ء بروز شنبہ بوقت سحر اپنے ننہال موضع دودھواں علاقہ لولاب میں تولد ہوئے۔(۲) آپ کے والد کا نام پیر معظم شاہ اور والدہ کا نام مال دیدی تھا۔

کلیم اختر آپ کی پیدائش کے بارے میں لکھتے ہیں :

"مولانا انور شاہ شیخ مسعود نروری کی ساتویں پشت میں تھے۔ آپ کا خاندان بغداد سے ہجرت کر کے برصغیر ہند و پاک اور تھوڑے ہی عرصہ میں ملتان اور لاہور میں قیام کر کے آخر کشمیر میں سکونت پزیر ہو گیا۔ چنانچہ آپ کی ولادت سے کافی عرصہ پہلے یہ خاندان کشمیر میں رہ رہا ہے وہیں ایک قریہ دودھواں (لولاب) کو آپکے مولد ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ مولانا انور شاہ ۲۷ شوال ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۷۵ کو پیدا ہوئے۔(۳)

علامہ انور شاہ کی تعلیم و تربیت گھر میں ہی ہوئی۔ آپ کے والد محترم محمد معظم شاہ بن عبدالکبیر نے آپ کو محنت اور لگن سے تعلیم دی اور ابتدائی تعلیم کے ساتھ قرآن حکیم بھی پڑھایا۔ چنانچہ چھ برس کی عمر میں آپ نے قرآن شریف حفظ کر لیا اور ساتھ ہی ساتھ زبان فارسی

---

۱ سید محمد قیصر ازہر شاہ حیات انور ص ۹

۲ عبدالرحمان کوندو علامہ انور شاہ کاشمیری مشاہیر نمبر ہمارا ادب جموں و کشمیر کلچرل اکیڈمی ۷۷-۱۹۷۶ مرتب رشید ناز کی ـــــ ص ۳۸۷

۳ کلیم اختر اقبال اور مولانا انور شاہ کشمیری، المعارف ۱۹۷۷ء ـــ ص ۲۷

کے چند رسائل بھی پڑھ لئے ۔ آپ کی ذہنی و علمی تعلیم و تربیت اور علوم شرقیہ سے آگاہی میں مولانا عبدالجبار اور مولوی غلام محمد کا بھی حصہ ہے ۔ اول الذکر فارسی کے عالم تھے اور موخر الذکر زبان عربی اور علوم فارسی کے علاوہ دینی مسائل پر گہری نظر رکھتے تھے ۔ ان اساتذہ کی صحبت نے مولانا کے دل میں مزید علم حاصل کرنے کا شوق پیدا کیا اور پھر یہی شوق انہیں وطن کی بہاروں سے وداع کر کے دیار غیر میں لے گیا ۔(۱)

مولانا نے سب سے پہلے کاکول ہزارہ میں قیام کیا ۔ یہاں مختلف علماء کرام سے علم صرف و نحو، فقہ، منطق کے اسباق پڑھے ۔ کاکول سے استفادہ کرنے کے بعد ۱۸۹۳ء میں دارالعلوم دیوبند چلے گئے ۔ یہاں آپ نے کافی محنت کی ۔ اساتذہ نے آپ کی کافی قدر کی اور بقول محمد الدین فوق اہل دیوبند کو گوڑی کے اس لعل کی بابت معلوم ہوا کہ یہ سنگریزہ نہیں بلکہ لعل بدخشاں ہے تو وہ انکی تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھنے لگے ۔(۲)

دارالعلوم دیوبند میں جن علماء و فضلاء نے آپ کی تعلیم و تربیت میں حصہ لیا ان میں خاص طور سے مولانا الحافظ خلیل احمد صاحب سہارنپوری، شیخ الحدیث محمود الحسن، محمد اسحاق امرتسری، مولانا حبیب الرحمن دیوبندی قابل ذکر ہیں ۔ تعلیم و تربیت سے فراغت حاصل کرنے کے بعد آپ نے درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا ۔ اس سے پہلے آپ گنگوہ تشریف لے گئے ۔ جہاں آپ نے مولانا رشید احمد گنگوہی سے حدیث کی سند لی اور ان سے بیعت کر کے رخصت ہوئے ۔ آپ نے دہلی کے مدرسہ امینہ میں جو ان کے دوست مولانا محمد امین صاحب نے قائم کیا تھا ۔ مدرس اعلیٰ مقرر ہوئے ۔ یہاں آپ بارہ برس تک درس و تدریس میں مصروف رہے ۔

۱۹۰۲ء میں بڑے بھائی کی وفات پر آپ کشمیر آئے ۔ والدین نے واپس جانے کی اجازت نہ دی ۔ یہاں آپ کی شاگردی میں ہزاروں طالب علم رہے ۔ جس کے باعث آپ عوام الناس میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے آپ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی ۔ ۱۹۰۶ء میں آپ حجاز گئے اور فریضہ حج ادا کیا ۔ چند رفقاء بالخصوص بارہمولہ کے رئیس عبدالصمد ککرو کے ہمراہ بلاد اسلامیہ کی سیر کو گئے ۔ حجاز، مصر، طرابلس اور بصرہ کی سیاحت کی ۔ اس سفر کے دوران

---

۱ کلیم اختر اقبال اور مولانا انور شاہ کشمیری المعارف ۱۹۷۷ء ص ۲۸

۲ ایضاً ص ۲۷

آپ نے دنیائے اسلام کے بعض مستند عالموں سے بھی دینی علوم پر سندات حدیث حاصل کیں۔ آپ نے حرمین شریفین میں قیام کے دوران وہاں کے کتب خانوں کو بھی کھنگالا۔ سید اسد اللہ شاہ دوار کی راوی ہیں کہ جب آپ مصر میں پہنچے تو آپ نے وہاں ایک نادر دینی کتاب دیکھی جس کا دنیا بھر میں صرف ایک ہی نسخہ تھا۔ شاہ صاحب نے لائبریرین سے کتاب پڑھنے کی درخواست کی جو اس نے منظور کرلی۔ آپ نے کتاب کو بغور پڑھا اور پھر اپنی بے پناہ قوت حافظ اور یادداشت کی بناء پر تحریر کرلیا اصل کتاب سے جب اسکا متن ملایا گیا تو اسمیں ایک غلطی بھی نہ تھی۔ (۱)

کشمیر میں آپ نے سفر حج سے واپسی پر اپنے رفیق خواجہ عبدالصمد گکرو کے اصرار پر ایک مدرسہ "فیض عام" قائم کیا اور یہ مدرسہ تین سال تک چلاتے رہے لیکن اپنے ہم وطنوں کی مایوسی نے انہیں پھر دیوبند تشریف لے جانے پر مجبور کیا۔ محمد الدین فوق مشاہیر کشمیر میں لکھتے ہیں :

"میں نے دیوبند کی نسبت جہاں بہت سے اور علماء دارالعلوم میں کام کررہے ہیں کشمیر کے زیادہ حقوق عرض کئے۔ جہاں چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کوئی ایسا آدمی پیدا کیجئے جو ہماری باتیں سن سکے ہمیں خدمت وطن سے کوئی انکار نہیں۔" (۲)

۱۹۱۰ء میں آپ فضلائے دارالعلوم کے جلسہ دستار بندی میں شرکت کے لئے دیوبند گئے۔ شیخ الہند نے درس و تدریس کے فرائض پر مامور کردیا۔ کوئی معاوضہ قبول نہ کیا۔ منتظمین نے چاہا کہ آپ کم از کم کوئی معاوضہ لے لیں مگر آپ راضی نہ ہوئے البتہ حافظ احمد صاحب مہتمم دیوبند کے اصرار پر دونوں وقت ان کے ساتھ طعام میں شرکت کرنا قبول کرلیا۔ اور دارالعلوم کے احاطے میں ایک مختصر سے حجرے میں جو رہائش کے لئے مل گیا تھا آپ خود بھی دینی مسائل پر غور و فکر کرتے رہے اور دوسروں کو بھی فیضیاب کرتے رہے۔

۱۹۱۵ء کو شیخ الہند نے سفر حجاز اختیار کیا اور آپ کو شیخ الحدیث کی منصب پر فائز کرکے

---

۱ کلیم اختر اقبال اور مولانا انور شاہ کشمیری ــــ المعارف نومبر ۱۹۷۷ء ــــ ص ۲۸

۲ محمد الدین فوق مشاہیر کشمیر

اپنا جانشین بنایا۔ چالیس یا کتالیس سال کی عمر میں آپ اس منصب اعلیٰ پر فائز ہوئے اپنی قابلیت اور عبادت گزاری کے سبب مولانا نے جلد ہی اپنا مقام علماء کرام کی صف اول میں پیدا کرلیا۔ ان کے ہم عصر ان کی دینی فضیلت اور علمی صلاحیت کے اتنے قائل ہوئے کہ کسی نے "بخاری وقت" کے نام سے پکارا کسی نے "ابو حنیفہ ثانی" کے لقب سے۔ (۱)

آخر کار ناخوشگوار واقعہ پیش آیا کہ شاہ صاحب اپنے بہت سے ساتھیوں اور ۲۷۵ طلباء سمیت دارالعلوم دیوبند سے علاحدہ ہوئے اور دیوبند کے بجائے آپ نے سرزمین ڈابھیل کو اپنے فیوض و برکات کا مرکز بنایا بقول مولانا محمد منظور نعمانی بظاہر یہ واقعہ بہت ہی نامبارک تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت نے اس شر سے یہ خیر پیدا فرمایا کہ ڈابھیل ضلع سورت (گجرات) کے ایک معمولی سے مدرسہ تعلیم الدین کے ذمہ داروں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسکو ہندوستان کا دوسرا دارالعلوم دیوبند یا جامعہ اسلامیہ بنانے کا فیصلہ کرلیا(۲)

مولانا انور شاہ نے دینی خدمات کے پیش نظر ۴۴ برس کی عمر تک شادی نہ کی۔

بالآخر آپ صحت کی خرابی کی وجہ سے دیوبند پہنچے اور وہاں ۲۹ مئی ۱۹۳۳ کو انتقال کر گئے۔

علامہ انور شاہ کے انتقال پر مختلف اشخاص نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ نامور محدث علامہ زاہد بن الحسن الکوثری کی شہادت ہے۔

"علامہ ابن الہمام متوفی (۸۶۱ھ) کے بعد انور شاہ کشمیری کا پایہ کوئی دوسرا شخص پیدا نہیں ہوا جو متن حدیث سے نئے نئے مباحث و نکات کے استنباط و استخراج کی اہلیت رکھتا ہو ور یہ وقفہ شاہ صاحب اور ابن ہمام کے درمیان کوئی معمولی وقفہ نہیں ہے۔"(۳)

علامہ انور شاہ نے بہت ساری کتابیں تصنیف کی ہیں جنکی فہرست لمبی ہے ان کی وفات پر شبیر احمد عثمانی نے ان کی عظمت یوں بیان فرمائی۔

---

۱ کلیم اختر علامہ اقبال اور مولانا انور شاہ کاشمیری المعارف نومبر ۱۹۷۷ء، ص ۲۹

۲ عبدالرحمن کوندو ــــ انور شاہ کاشمیری، ہمارا ادب، مشاہیر نمبر ــــ جموں و کشمیر کلچرل اکیڈمی سرینگر ص ۲۹۶

۳ کلیم اختر علامہ اقبال اور انور شاہ کاشمیری المعارف نومبر ۱۹۷۷ء ــــ ص ۲۹

"میں محسوس کر رہا ہوں کہ حافظ ابن حجر، شیخ تقی الدین اور سلطان العلماء کا انتقال آج ہو رہا ہے۔"(۱)

سید سلیمان ندوی نے لکھا :

"مرحوم کم سخن لیکن وسیع النظر عالم تھے۔ ان کی مثال اس سمندر کی سی تھی جس کے اوپر کی سطح ساکن لیکن اندر کی سطح موتیوں کے گراں قیمت خزانوں سے معمور ہوتی ہے۔ وہ وسعت نظر قوت حافظ اور کثرت حفظ میں اس عہد میں بے مثال تھے۔ علم و حدیث کے حافظ و نکتہ شناس۔ علوم و ادب میں بلند پایہ۔ معقولات میں ماہر۔ شعر و سخن سے بہرہ مند اور زہد و تقویٰ میں کامل تھے۔"(۲)

علامہ انور شاہ ایک عظیم المرتبت شخصیت تھی۔ مولانا مرحوم نہایت ہی خوبرو اور وجیہہ تھے۔ قوت حافظ بے پناہ تھا۔ شخصیت جاذب نظر بھی تھی اور پر کشش بھی جو کوئی ایک بار دیکھ لیتا پھر نظریں چہرے سے نہ اٹھاتا۔ باتیں بہت کم کرتے لیکن ہر بات سے وقار ٹپکتا تھا۔ صاف ستھرے کپڑے پہنتے تھے۔ کھانے پینے کے معاملے میں جو چیزیں زیادہ پسند آجاتی اسے سیر ہو کر کھاتے جاتے تھے۔ طبیعت شگفتہ تھی اور جان محفل تھے اپنی کم گوئی کے باوجود بڑی پیاری اور پر لطف باتیں کرتے تھے۔ ایک بار سبق پڑھا رہے تھے کہنے لگے چلو اپنے گھر کا راستہ لو۔ بھائی شمس الدین ہی چلے گئے ہیں۔ پڑھنے والوں نے حیرانی سے پوچھا کون شمس الدین؟ تو ڈوبتے ہوئے سورج کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ جا بلو دیکھتے نہیں وہ بھائی شمس الدین رخصت ہو رہے ہیں۔ اندھیرے میں پڑھکر کیا کرو گے اس میں تو لطف نہیں آئیگا۔(۳)

اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں :

"ایک انگریز کا قول تھا کہ اسلام کی حقانیت کا اس لئے قائل ہوا کہ غزالی جیسا مدبر اسلام کو حق سمجھتا ہے میں کہتا ہوں جب انور شاہ ایسا محقق اور مدقق عالم اسلام کو حق سمجھتا ہے تو میرے نزدیک اسلام کی حقانیت کی یہ ایک بڑی دلیل ہے۔"(۴)

---

۱ سید محمد ازہر شاہ قیصر — حیات انور، حالات زندگی اور دینی کمالات — ص ۳۰

۲ سید سلیمان ندوی — شذرات معارف اعظم گڑھ، جولائی ۱۹۳۲ء — ص ۲

۳—۴ کلیم اختر — علامہ اقبال اور انور شاہ کشمیری، المعارف نومبر ۷۷ء — ص ۲۹، ۳۱

دیگر مشاہیر کی طرح علامہ اقبال نے مولانا انور شاہ کا بھی ذکر نہایت ہی عقیدت کے اور احترام کے ساتھ کیا ہے۔ اس کے علاوہ علامہ اقبال نے مولانا انور شاہ کاشمیری سے کچھ فیض بھی حاصل کیا۔

عبدالصمد صارم لکھتے ہیں :

ڈاکٹر اقبال مرحوم خود بڑے پایہ کے فلسفی تھے۔ فلسفہ قدیم و جدید پر ان کی یکساں نظر تھی۔ علوم جدید میں انکو کمال حاصل تھا۔ لیکن وہ شاہ صاحب کے نگاہ التفات کے خواستگاروں میں سے تھے۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے شاہ صاحب سے بہت کچھ فیض حاصل کیا اور اس کا اعتراف انہوں نے خود بھی کیا ہے۔"(۱)

"دیوبند کی عہد ساز شخصیتیں" میں ضیاء الرحمن فاروقی لکھتے ہیں :

"انہیں کے متعلق علامہ اقبال نے کہا تھا کہ اس وقت روئے زمین پر انور شاہ سے بڑا کوئی عالم نہیں۔"(۲)

علامہ اقبال نے انور شاہ کے تعزیتی اجلاس میں خود کہا :

"اسلام کی ادھر کی پانچ سو سالہ تاریخ شاہ صاحب کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے"(۳)

علامہ اقبال اور مولانا انور شاہ کے ابتدائی تعلقات کا باقاعدہ آغاز اکتوبر ۱۹۲۱ء میں ہوا۔ محمد عبداللہ چغتائی لکھتے ہیں :

"ہندوستان میں سیاسی طور پر ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۲ء تک کا زمانہ بڑے ابتلاء کا زمانہ تھا۔ چنانچہ جمعۃ العلماء دیوبند نے تجویز کیا کہ ایک عام جلسہ ان سیاسی حالات کے تحت کیا جائے اسکے روح رواں اور ہر دلعزیز مولوی عبدالقادر قصوری وکیل تھے اور یہ عظیم الشان جلسہ اکتوبر ۱۹۲۱ء میں لاہور کے پریڈ ہال میں منعقد ہوا جو موجودہ سنٹرل ٹریننگ کالج کے عقب میں ہے راقم نے اتنے علماء دین کا مجموعہ پھر نہیں دیکھا اور نہ آج تک ایسا جلسہ

---

۱ کلیم اختر علامہ اقبال اور انور شاہ کشمیری ـــ المعارف نومبر ۱۹۷۷ء بحوالہ مولانا عبدالصمد صارم ' سیرت انور شاہ کاشمیری ـــ ص ۴۰

۲ ایضاً بحوالہ ضیاء الرحمن فاروقی ـــ دیوبند کی عہد ساز شخصیتیں دارالعلوم دیوبند ۱۹۷۶ء

۳ عبدالرحمان کوندو الانور ص ۵۷۲ بحوالہ چٹان لاہور پاکستان

ہی ہوا جسکی صدارت مولانا ابوالکلام آزاد نے کی تھی مجھے خوب یاد ہے کہ اس جلسہ کے افتتاح پر قرآت مولانا ظاہر دیوبندی نے کی تھی اور صدر مولانا آزاد کی تجویز کی تائید میں کئی علماء نے تقریریں کی تھیں مگر وہ تقریر جو مرحوم مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا فاخر کانپوری کی تھی۔ وہ ایک شاہکار تھی۔ خطبہ صدارت کو مولانا آزاد نے خود اور کچھ حصہ کو مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی اور کچھ حصہ کو مولانا عبدالحلیم انصاری نے پڑھا تھا اسی جلسہ میں اول مرتبہ میں نے خود اقبال اور مولانا انور شاہ کشمیری کا تعارف کرایا تھا۔"(۱)

علامہ اور انور شاہ کی ملاقاتوں کا جو سلسلہ یہاں شروع ہوا وہ تادم آخر قائم رہا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو کافی خطوط بھی لکھے۔علامہ اقبال کی خواہش مولانا انور شاہ کو لاہور بلانے کی تھی۔ جس کا ذکر انہوں نے اکبر آبادی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔

"یہاں لاہور میں ضروریات اسلامی سے ایک تنفس بھی آگاہ نہیں۔یہاں انجمن اور کالج اور فکر مناسب کے سوا اور کچھ نہیں۔ پنجاب میں علماء کا پیدا ہونا بند ہوگیا ہے صوفیاء کی دکانیں ہیں مگر وہاں سیرت اسلامی کی متاع نہیں بکتی۔"(۲)

علامہ اقبال مولانا انور شاہ یا سید سلیمان ندوی کو اسلامی خدمات کے لئے لاہور بلانا چاہتے تھے مگر دونوں شخصیات میں ایک بھی اس کام کے لئے اس وقت تیار نہ تھا حالانکہ علامہ نے مولانا انور شاہ کے آنے کے لئے انتظامات بھی کئے تھے۔ محمد عبداللہ چغتائی لکھتے ہیں :

"ایک مرتبہ علامہ سید انور شاہ صاحب لاہور میں تشریف لے آئے اور راقم کے مکان کے قریب تکیہ سادھواں (اندرونی موچی دروازہ رنگ محل لاہور) پیر عبدالغفار شاہ ۲ جمادی الثانی ۱۳۴۰ کے ہاں مہمان تھے اس وقت ادھر آپ کی موجودگی میں علامہ نے ہر دو متذکرہ بالا انجمنوں(۳) سے معاملہ فہمی بھی کرلی تھی کہ اگر آپ یہاں بھی تشریف لے آئیں تو آپ خطیب بادشاہ مسجد اور ادھر اسلامیہ کالج میں علوم دین اسلام کے

---

۱ عبداللہ چغتائی پادشاہی مسجد لاہور ـــــ لاہور کتب خانہ نورس ۱۹۷۲ء، ص ۳۷

۲ شیخ عطاء اللہ اقبال نامہ (دوم) ص ۴۸

۳ انجمن اسلامیہ پنجاب اور انجمن حمایت اسلام لاہور

سربراہ ہوں گے۔"(۱)

۱۲ مارچ ۱۹۲۵ء کو علامہ اقبال نے مولانا انور شاہ کو ایک خط لکھا۔ اقبال نامہ میں اس خط کی تاریخ ۱۹۳۵ء درج ہے مگر علامہ انور شاہ کا انتقال ۱۹۳۳ء کو ہوا اس لئے یہ سن ۱۹۲۵ء صحیح ہے۔(۲) اس موقعہ پر علامہ انور شاہ انجمن خدام الدین کے اجلاس میں شرکت کے لئے لاہور آئے تھے علامہ نے انہیں خط میں لکھا :

مخدوم و مکرم حضرت قبلہ مولانا ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاۃ !

"مجھے ماسٹر عبداللہ صاحب سے ابھی معلوم ہوا کہ آپ انجمن خدام الدین کے جلسہ میں ابھی تشریف لائے ہیں۔ اور ایک دو روز قیام فرماویں گے۔ میں اسے اپنی بڑی سعادت تصور کروں گا۔ اگر آپ کل شام اپنے دیرینہ مخلص کے ہاں کھانا کھائیں۔ جناب کی وساطت سے حضرت مولوی حبیب الرحمن صاحب قبلہ عثمانی حضرت مولوی بشیر احمد صاحب اور جناب مفتی عزیز الرحمن صاحب کی خدمت میں یہی التماس ہے مجھے امید ہے کہ جناب اسے عریضے کو شرف قبولیت بخشیں گے۔ آپ کو قیام گاہ سے لانے کے لئے سواری یہاں سے بھیج دی جائے گی۔"(۳)

علامہ انور شاہ صاحب نے جب دارالعلوم دیوبند سے استعفیٰ دیا تو علامہ اس بات پہ خوش ہوئے کہ اب مولانا انور شاہ کو لاہور بلایا جاسکے گا کیونکہ ان کے خیال میں جدید تدوین فقہ کے لئے مولانا انور شاہ صاحب سے زیادہ کوئی دوسرا عالم اس وقت موجود نہیں۔ اس بارے میں مولانا سعید اکبر آبادی لکھتے ہیں :

"دارالعلوم دیوبند میں اختلافات کے باعث جب حضرۃ لاستاد نے اپنے عہدہ صدر الساتذہ سے استعفیٰ دیا اور یہ خبر اخبارات میں چھپی تو اس کے چند روز بعد ایک دن ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا فرمانے لگے۔ آپ کا اور باقی مسلمانوں کا جو بھی تاثر ہو بہر حال شاہ صاحب کے استعفیٰ کی خبر پڑھکر بہت خوش ہوا ہوں میں نے

---

۱ عبداللہ چغتائی بادشاہی مسجد لاہور، کتب خانہ نورس ــــ ۱۹۷۲ء ــــ ص ۳۸

۲ قاضی افضل حق قرشی اقبال کے ممدوح علماء ص ۳۲

۳ علامہ اقبال اقبال نامہ (حصہ دوم) مرتب شیخ عطاء اللہ ــــ ص ۲۵۷

بڑے تعجب سے عرض کیا ۔ کیا آپ کو دارالعلوم دیو بند کے نقصان کا کچھ ملال نہیں؟ فرمایا کیوں نہیں مگر دارالعلوم کو تو صدر المدرسین اور بھی مل جائیں گے اور یہ جگہ خالی نہ رہے گی ۔ لیکن اسلام کے لئے جو کام میں شاہ صاحب سے لینا چاہتا ہوں اس کو سوائے شاہ صاحب کے کوئی دوسرا انجام نہیں دے سکتا ۔ اس کے بعد اس اجمال کی تفصیل یہ بیان کی کہ آج اسلام کی سب سے بڑی ضرورت فقہ کی جدید تدوین ہے جس سے زندگی کے ان سینکڑوں ہزاروں مسائل کا صحیح اسلامی حل پیش کیا گیا ہو جن کو دنیا کے موجودہ قومی اور بین الاقوامی سیاسی ' معاشی اور سماجی احوال و ظروف نے پیدا کر دیا ہے ۔ مجھکو پورا یقین ہے کہ اس کام کے لئے میں اور شاہ صاحب دونوں مل کر ہی کر سکتے ہیں ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی شخص اس وقت عالم اسلام میں ایسا نظر نہیں آتا جو اس عظیم الشان ذمہ داری کا حامل ہو سکے ۔ پھر فرمایا یہ مسائل کیا ہیں ؟ ان کا سرچشمہ کیا ہے میں ایک عرصہ سے ان کا بڑے غور سے مطالعہ کر رہا ہوں ۔ یہ سب مسائل میں شاہ صاحب کے سامنے پیش کر دوں گا ان کا صحیح اسلامی حل کیا ہے یہ شاہ صاحب بتائیں گے اس طرح ہم دونوں کے اشتراک و تعاون سے قصہ جدید کی تدوین عمل میں آجائے گی ۔"(۱)

اگرچہ دونوں بزرگوں کی خط و کتابت پوری طرح معلوم نہیں مگر پھر بھی یہ خطوط دونوں شخصیات کے درمیانی تعلقات کی پوری عکاسی کرتے ہیں ۔ اگرچہ مولانا انور شاہ لاہور نہ آسکے مگر پھر بھی علامہ اقبال نے مختلف مسائل پر انکو خطوط لکھے اور حل طلب مسائل سے استفادہ کرتے رہے ۔

"ان کے آٹھ آٹھ صفحات کے خطوط سوالات و شبہات سے پر آتے تھے اور حضرت انکے شافعی جوابات لکھتے جس سے ان کے قلب کی راہ بنتی چلی گئی ۔"(۲)

جب مولانا کا رسالہ "ضرب الخاتم علیٰ حدوث العالم" چھپا تو اس کا ایک نسخہ اقبال کو بھی بھیجا ۔

---

۱ سعید اکبر آبادی اسے کہ مجموعہ خوبی بچہ نامت خوانم مشمولہ حیات انور از سید انور شاہ قیصر ص ۱۹۳ (دیو بند ۱۹۵۵ء)

۲ محمد طیب نورالانور مشمولہ حیات انور از سید محمد انور شاہ قیصر ــــ ص ۲۵۱

یہ چار سو اشعار کا منظوم رسالہ ہے جس میں علم کلام و فلسفہ کے معرکتہ الآراء موضوع "حدوث عالم" پر دلائل قائم کئے ہیں ۔ اقبال نے اسے بہت پسند کیا ۔ اس بارے میں سعید احمد اکبر آبادی لکھتے ہیں :

"انور شاہ کا رسالہ پڑھکر دنگ رہ گیا ہوں کہ رات دن قال اللہ اور قال رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے واسطہ رکھنے کے باوجود فلسفہ میں بھی ان کو اس درجہ درک و بصیرت اور اس کے مسئلہ پر اس قدر گہری نگاہ ہے کہ حدوث عالم پر اس رسالہ میں انہوں نے جو کچھ لکھا دیا ہے حق یہ ہے کہ آج یورپ کا بڑے سے بڑا فلسفی بھی اس مسئلہ پر اس سے زیادہ نہیں کر سکتا ۔"(۱)

علامہ اقبال اور مولانا انور شاہ کے درمیان زمان و مکان کی تحقیق کے موضوع پر بھی خط و کتابت ہوئی ہے ۔ اس بارے میں مولانا محمد شاہ انوری لکھتے ہیں :

"۔۔۔۔۔ سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور کے ایک پروفیسر صاحب نے فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب کے احسان کا ڈاکٹر صاحب اس سلسلے میں ذکر فرما رہے تھے کہ انہوں نے ایک مجلس میں حضرت شاہ صاحب سے زمان و مکان کی تحقیق کے متعلق استفسار فرمایا تو حضرت نے اس پر ایک مبسوط تقریر فرمانے کے بعد علامہ عراقی رحمتہ اللہ علیہ کے رسالہ (فارسی) غایتہ البیان فی تحقیق الزمان و المکان کی طرف متوجہ فرمایا ۔ ڈاکٹر صاحب فرما رہے تھے کہ میں نے شاہ صاحب سے عرض کی کہ یورپین محققین نے اس کی پوری تحقیق کی ہے ۔ چنانچہ نیوٹن پہلا محقق ہے جسنے اس پر بسیط سے بحث کی ہے حضرت نے فرمایا کہ میں نے نیوٹن کے بیس کے قریب تصانیف دیکھی ہیں زمان و مکان پر جو کچھ لکھا ہے وہ علامہ عراقی کے مذکرۃ الصدر رسالہ سے لیا ہے لیکن حوالہ نہیں دیا ہے ۔ ڈاکٹر صاحب بھی متعجب ہوئے اور اس رسالہ کا اشتیاق ظاہر فرمایا ۔ حضرت نے دیوبند جا کر وہ رسالہ ڈاکٹر صاحب کے پاس ارسال فرما دیا ۔"(۲)

---

۱ سعید اکبر آبادی، اسے تو مجموعہ خوبی بچہ تامت باب ۶ مشمولہ حیات انور مرتب سید ازہر شاہ قیصر دیوبند ۱۹۵۵ــــ ص ۱۶۴

۲ مولانا محمد شاہ انوری ــــ حضرت علامہ انور شاہ اور ڈاکٹر اقبال مشمولہ اقبال کے ممدوح علماء ــــ قاضی افضل حق قرشی ــــ ص ۴۴

علامہ اقبال نے اس بارے میں خود لکھا ہے :

"مشہور حدیث لاتسبو الدھر ان الدھر ھو اللہ میں (دھر بمعنی Time) کا جو لفظ آیا ہے اس کے متعلق مولوی سید انور شاہ صاحب سے جو دنیائے اسلام کے جید ترین محدثین وقت میں سے ہیں میری خط و کتابت ہوئی۔"(۱)

اقبال اور انور شاہ کی آخری ملاقات اگست ۱۹۳۲ء میں ہوئی مقدمہ بہاولپور کے سلسلے میں مولانا ۱۹ اگست ۱۹۳۲ء کو یہاں پہنچے۔ ۲۵ اگست کو ان کا بیان شروع ہوا جو متواتر پانچ روز تک جاری رہا۔ اس دوران لاہور میں دو روز قیام کیا۔ جامع آسٹریلیا میں صبح کی نماز کے بعد وعظ کرتے جن میں دیگر لوگوں کے علاوہ اقبال بالخصوص حاضر ہوتے۔(۲) یہ سفر مولانا نے بیماری کے دوران کیا۔ اس دوران ختم نبوت اور رد قادیانیت پر حضرت کا بیان ہوا۔ ڈاکٹر صاحب پر اس قدر اثر ہوا کہ رد قادیانیت کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب کا آخری دور کا کلام نظم و نثر اردو و فارسی ان حقائق کی ترجمانی کر رہا ہے رد قادیانیت میں نہایت بلند پایہ مضامین سپرد قلم فرماتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے انجمن حمایت اسلام لاہور سے انجمن کے کالج اور تمام اسکولوں سے قادیانی لاہوری تمام ملازم برطرف کرائے۔ یہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کھلی کرامت ہے۔(۳)

علامہ اقبال اور مولانا انور شاہ کے تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے محمد ازہر شاہ لکھتے ہیں :

"علامۃ العصر مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے اقبال کے تعلقات کی ابتداء ۱۹۲۴ء میں ہوئی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال ۱۹۳۳ء تک یہ تعلقات قائم رہے اس عرصہ میں انہوں نے خط و کتابت کے ذریعہ بھی حضرت علامہ انور شاہ کشمیری سے استفسار کیا۔ مسئلہ وحدت الوجود، وحدت الشہود، زمان و مکان، ختم النبوت، قرآن کے اعجاز کلام اور ایسے بہت سے مسائل پر انہوں نے تحریری طور پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بار بار استفسارات کئے اور حضرت علامہ نے انہیں اطمینان بخش جوابات دئے۔

---

۱ بشیر احمد ڈار انوار اقبال ص ۲۵۵

۲ قاضی افضل حق قرشی ڈاکٹر محمد اقبال اور انور شاہ کاشمیری مشمولہ حیات انور مرتب سید محمد ازہر شاہ قیصر ص ۲۹ (دیوبند ۱۹۵۵ء)

۳ مولانا محمد شاہ انوری حضرت علامہ انور شاہ اور ڈاکٹر اقبال حیات انور ص ۵

افسوس کہ دونوں کی یہ طویل خط و کتابت محفوظ نہ رہی ورنہ کلام اقبال کے ناقدین کے سامنے علم و نظر کی نئی وادیاں اور خوش منظر سبزہ زار سامنے آتے۔ حضرت علامہ انور شاہ صاحب سال میں ایک دو دفعہ کشمیر آتے جاتے۔ پنجاب کے متعدد شہروں لاہور، راولپنڈی، گوجرانوالہ، ملتان، گجرات، لدھیانہ فرد کش ہوتے ہوئے لاہور میں آپ کا قیام کئی کئی دن رہتا۔ اور ان مواقع پر علامہ اقبال بڑی نیاز مندی کے ساتھ حضرت علامہ کی مجلس میں حاضری دیتے اور ان کی تحقیقات علمیہ اور انفاس قدسیہ سے اپنے دل و ضمیر کو منور کرتے تھے۔ اقبال کے سوانح نگار ڈاکٹر سید محمد عبداللہ، میاں امیر الدین، پروفیسر یوسف سلیم چشتی وغیرہ نے اپنی اپنی کتابوں میں ان ملاقاتوں کا حل بیان کیا ہے۔"(۱)

---

۱ قاضی افضل حق قریشی اقبال کے ممدوح علماء بحوالہ ابن انور سید محمد ازہر شاہ قیصر ایڈیٹر رسالہ دیوبند

علامہ اقبال اور گورو نانک

سکھ مذہب کے بانی گورو نانک (۱۴۶۹-۱۵۳۹) اپنے گاؤں تلونڈی میں پیدا ہوئے ۔ ان کے باپ کا نام مہتا کلیان داس بیدی تھا [تلونڈی بعد میں گورونانک کے نام پر ننکانہ صاحب کے نام سے مشہور ہوا ۔ اب یہ مغربی پاکستان میں ہے] نانک کے باپ اس گاؤں میں غالباً پٹواری تھے ۔ تلونڈی جو لاہور سے تقریباً ۴۰ میل دور تھا اور آج بھی موجود ہے ۔ اس کی زیادہ تر آبادی مسلمانوں پر مشتمل تھی ۔ اس طرح گورونانک نے مسلم ثقافت کے ماحول میں نشو و نما پائی ۔ بعض مسلم ماخذوں سے پتہ چلتا ہے کہ گورونانک کو ابتدائی تعلیم ایک مسلمان سید حسن نے (جو نانک کے پڑوسی تھے) دی تھی ۔ وہ نوجوان نانک پر بہت شفقت کرتے تھے اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کے کوئی اولاد نہیں تھی ۔ نانک نے انہیں کے اثر سے تصور توحید کو اپنایا ۔(۱)

سکھ مذہب کی ابتداء کے بارے میں مختلف نظریات سامنے آتے ہیں ۔ چنانچہ اس بارے میں خوش سنگھ لکھتے ہیں :

" Sikhism was born out of a wedlock between Hinduism and Islam after they had known each other for a period of nine hundred years - But once it had taken birth it began to develop a personality of its own and in due course grew into a faith which had some semblance to Hinduism, some to Islam, and yet had features which born no resemblance to either."(2)

---

۱ پروفیسر حفیظ ملک اقبال کی شاعری میں گورونانک کا مقام ـــ اسلام اور عصر جدید دہلی اکتوبر ۱۹۶۹ء ص ۴۲

2. Khushwant Singh _ A History of Sikhs Vol.I P17

گورونانک نے جس سکھ مذہب کی بنیاد ڈالی اس کو باقی گروؤں نے اور بھی مستحکم بنایا۔ مذہب کے لئے نئی روایتیں اور رواج بنائے۔ گرو انگد پنجابی زبان کے لئے سنسکرت کے بجائے گورمکھی رسم الخط ایجاد کیا۔ گرو امرداس نے پیدائش اور موت کے لئے نئی رسمیں ایجاد کیں۔ گو ارجن نے امرتسر میں سکھوں کے لئے ایک گردوار تعمیر کیا۔ گرو گوبند نے سکھوں کے لئے پانچ چیزیں کڑا۔ کچھا۔ کرپان۔ کیس اور کنگھا لازمی قرار دیئے۔ اسلام اور سکھ مذہب پر تبصرہ کرتے ہوئے حفیظ ملک لکھتے ہیں :

"اسلام اور سکھ مذہب کا تقابلی مطالعہ کرنے سے یہ بات منکشف ہو گی کہ سکھ مذہب کے بنیادی عقائد ہندو مذہب کے مقابلے میں اسلام سے زیادہ قریب ہیں۔ سکھ مذہب کی نمایاں خصوصیات پر نظر ڈالنے سے اس حقیقت کی تائید ہوتی ہے۔"(۱)

سکھ مذہب کے بانی گورونانک نے خالص توحید کی تبلیغ اسی طرح کی جسطرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔ گورونانک نے ذات پات اور چھوت چھات کی مخالفت کی ہے وہ مساوات پر زور دیتے ہیں۔ یہ اصول قرآنی تعلیمات کے پیش نظر بیان کئے گئے ہیں۔

قرآن کریم کے سورۃ اخلاص میں توحید الٰہی کے بارے میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے :

1. Say! He, Allah is one
2. Allah is He on whom all depend
3. He gets not, nor is he begotten.
4. And none is like him(2)

گرونانک نے توحید کے تصور کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے :

There is none other God but

The one manifesting Supreme being

The eternal (is His) Name

---

۱ پروفیسر حفیظ ملک اقبال کی شاعری میں گرونانک کا مقام اسلام اور عصر جدید دہلی اکتوبر ۱۹۶۹ــــ ص ۴۱

2. The Holy Quran__ Maulana Mohammad Ali , Lahore 1951. p.1219

(He is) The Indwelling Creative Person

Devoid of fear,without ill will

The timeless being , unborn, self existent.

The Guru's Grace(is also He (1)

گرونانک نے توحید کی تعلیم دیتے ہوئے بت پرستی کی مخالفت کی ہے۔انہوں نے خدا کو صرف حق سمجھا۔ وہ خدا کا وجود کائنات کے پہلے اور کائنات کے بعد بھی مانتے ہیں۔ یہ وجود خدا کا نانک کے مطابق ہمیشہ قائم رہے گا۔قرآن کریم کے سورۃ حدید میں خدا کے بارے میں آیا ہے۔

In the name of Allah, The Benificent the mericiful

What ever is in the heavens and the Earth declares.

The glory of Allah and he is the mighty,The wise,

He is the first and the last and The manifest and

and the hidden and He is Knower of all Things.(2)

کلام اقبال میں گرونانک کا ذکر توحید کے حوالے سے ہی ملتا ہے۔ علامہ اقبال نے نہایت ہی عقیدت اور احترام کے ساتھ گرونانک کا ذکر اپنے کلام میں کیا ہے۔ علامہ نے اپنے کلام میں گرونانک کا ذکر اسی توحید پرستی کی وجہ سے کیا ہے۔ اور انہوں نے گرونانک کے ان ہی اصولوں کی وضاحت کی ہے جو مذہب اسلام سے میل کھاتے ہیں۔ نانک کے علاوہ علامہ نے بدھ مت ،ہندو مذہب اور دیگر مذاہب کی شخصیات کا بھی ذکر اپنے کلام میں کیا ہے۔ دراصل علامہ کو مختلف مذاہب کی ان بلند پایہ شخصیات سے اس لئے عقیدہ تھا کیونکہ ان شخصیات نے عظمت انسانی کے اصولوں کی پیروی کی ہے۔ عظمت انسانی کے یہ اصول علامہ نے جس شخص میں بھی بغیر رنگ و نسب اور مذہب و ملت دیکھے اس شخص کی عظمت کا

---

1. Guru Nakis Ga pJi by Gurusarn Singh _ p 29

2. The Holy Quran__ Maulana Mohammad Ali , Lahore 1951,Chapter 57 Iron

p. 1028

اعتراف علامہ نے اپنی شاعری یا نثر میں کیا ہے۔ کچھ ناقدین کا خیال ہے کہ علامہ نے صرف حب الوطنی اور اتحاد کے لحاظ سے ہی ان شخصیات کا ذکر کیا ہے جیسا کہ سید عابد علی عابد لکھتے ہیں :

"۱۹۰۵ء تک یعنی حب الوطنی کے دور میں اقبال نے ہندوں اور مسلمانوں کے اتحاد کو بے حد ضروری سمجھا تو لازم آیا کہ اقبال یک جہتی کی فضا پیدا کرنے کے لئے ہندوں کے مذہبی اور ان کے قوم کی جلیل القدر شخصیتوں کا نام احترام سے لیں، رام پر، نانک پر، سوامی رام تیر تھ پر جو نظمیں لکھی گئیں ان کی تخلیق کی رمز یہی ہے۔"(۱)

مگر اس خیال کو ڈاکٹر عبدالحق یوں پیش کرتے ہیں :

"اقبال شروع سے آخر تک ہندوں اور مسلمانوں کی یک جہتی اور ہم آہنگی پر زور دیتے ہیں۔ اسے کسی دور تک محدود کرنا مناسب نہیں اگر ہندوں کے جلیل القدر انسانوں کا تذکرہ یک جہتی کے لئے تھا تو پھر بعد کی شاعری میں شنکر آچاریہ (زبور عجم)، بھرتری ہری، طاسین گوتم، عارف ہندی (جاوید نامہ) کی تخلیق کے کیا رمز ہو سکتے ہیں۔"(۲)

گرونانک جیسی عظیم المرتبت شخصیت کا ذکر علامہ نے انہی توحید کے اصولوں کے تحت کیا ہے۔ علامہ نے نانک کی حق پسندی کا تذکرہ "بانگ درا" کی نظم "نانک" میں یوں کیا ہے :

پھر اٹھی آخر صدا توحید کی پنجاب سے
ہند کو اک مرد کامل نے جگایا خواب سے

اس نظم میں علامہ نے نانک کی خوبیوں کا تذکرہ یوں کیا ہے :

قوم نے پیغام گوتم کی ذرا پروانہ کی
قدر پہچانی نہ اپنے گوہر یک دانہ کی
آہ! بدقسمت رہے آواز حق سے بے خبر
غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
آشکار اس نے کیا جو زندگی کا راز تھا

---

۱ ڈاکٹر عبدالحق اقبال کے ابتدائی افکار ص ۹۹
۲ ایضاً

ہند کو لیکن خیالی فلسفہ پر ناز تھا
شمع حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
بارش رحمت ہوئی لیکن زمین قابل نہ تھی
آہ ! شودر کے لئے ہندوستان غم خانہ ہے
درد انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
برہمن سرشار ہے اب تک مے پندار میں
شمع گو تم جل رہی ہے محفل اغیار میں
بتکدہ وہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
نور ابراہیم سے آزر کا گھر روشن ہوا
پھر اٹھی آخر صدا توحید کی پنجاب سے
ہند کو اک مرد کامل نے جگایا خواب سے (۱)

"بانگ درا" کی اس نظم کے ابتداء میں گیارہ اشعار تھے۔ کسی مجموعے میں شامل نہ ہونے والے آخری تین اشعار درج ذیل ہیں :

تیرے پیمانے میں اے ساقی شراب ناب تھی
تیری شخصیت نے کھینچا ہر دل آگاہ کو
اپنے میدانوں میں جب رزم ممالک عام تھی
زندگی تیری سراپا صلح کا پیغام تھی
ہند کے بت خانے میں کعبے کا تو معمار تھا
کتنا باطل سوز تیرا شعلہ کفتار تھا (۲)

مندرجہ بالا نظم پر تبصرہ کرتے ہوئے حفیظ ملک لکھتے ہیں :

"بانگ درا" کے تیسرے حصے میں یہ نظم موجود ہے جو انہوں نے یورپ سے واپس

---

۱ محمد اقبال (حصہ بانگ درا) کلیات اقبال اردو اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس دھلی فروری ۱۹۸۱ء ص ۲۴۰

۲ فقیر سید وحید الدین روز گار فقیر جلد دوم ص ۵۹۴

آنے (۱۹۰۸ء) کے بعد کسی وقت لکھی تھی ------ "نانک" نام کی نظم اقبال کی پختہ کاری اور اعلیٰ فنی قابلیت کی پیداوار ہے اس نظم میں محاوروں اور تاریخی تلمیحوں کے انتخاب میں بڑی نزاکت احساس سے کام لیا گیا ہے ۔ اقبال نے ہندوستان کے تہذیبی ارتقاء کا تجربہ نہایت خلوص سے کیا ہے ۔ ایک طرف انہوں نے قدیم ہندو دانش وروں کے فلسفیانہ کمال کو سراہا ہے تو دوسری ان کے اندر ذات پات کے نظام پر کڑی تنقید کی ہے ۔ چنانچہ مہاتما بدھ اس نظم میں مساوات کے علمبردار کی حیثیت سے اور گرو نانک عقیدہء توحید کے نمائندہ کی حیثیت سے نظر آتے ہیں ۔"(۱)

علامہ اقبال نے گرو نانک پر لکھی گئی اس نظم میں گرو نانک کے ساتھ گوتم بدھ کا بھی ذکر کیا ہے اور ان دونوں شخصیات کے تئیں خراج عقیدت پیش کرکے اس بدقسمت قوم کا ذکر کیا ہے جس نے ان دونوں شخصیات کی قدر نہ کی ۔ اس کے علاوہ ان عظیم المرتبت شخصیات کی تعلیمات کا اس قوم پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ وہ ذات پات کے مسئلے میں الجھ گئے لیکن صدیوں کے بعد پنجاب سے ایک شخص نانک پیدا ہوا جس نے لوگوں کو توحید کا پیغام دیا۔

علامہ نے ایک اور نظم "ہندوستانی بچوں کا گیت" میں نانک کے تصور توحید کا ذکر یوں کیا ہے :

چشتی نے جس زمین میں پیغام حق سنایا
نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا
تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا
جس نے حجازیوں سے دشت عرب چھڑایا
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے (۲)

گرو نانک نے قوم کو مساوات ' اتحاد اور محبت کا درس دیا تھا ۔ علامہ اقبال نے بھی اپنے پیغام

---

۱ پروفیسر حفیظ ملک اقبال کی شاعری میں گرو نانک کا مقام ــــ اسلام اور عصر جدید ' دہلی ۱ اکتوبر ۱۹۶۹ء ص ۴۹-۴۸

۲ علامہ اقبال اردو کلیات (۱۹۸۱) ص ۵۷

میں ان باتوں پر زور دیا ہے۔

"سکھ مذہب ایک انتخابی مذہب ہے جسکی بنا گرو نانک نے اس غرض سے ڈالی تھی کہ انسان اپنے ہم جنسوں سے محبت کرے۔"(۱)

علامہ اقبال کے نزدیک اسلام کی معاشرتی نظام کی بنیاد توحید کے تصور پر قائم ہے اور توحید کی عملی روح مساوات، اتحاد اور آزادی میں مضمر ہے۔(۲)

اقبال نے اتحاد، مساوات اور آزادی پر زور دیا ہے اقبال نے جو مشرق ومغرب کی پیداوار ہیں۔ اسی خیال کو نظم و نثر دونوں عصر حاضر کی زبان میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے یورپ اور ہندوستان کی قوم پرستی کی مخالفت کی کیونکہ اس تصور میں جو نسلی احساس کا آہنگ موجود ہے وہ انسان کو انسان سے اور قوم کو قوم سے لڑادیتا ہے۔(۳) علامہ اقبال نظم "طلوع اسلام" میں لکھتے ہیں :

ہوس نے کردیا ٹکڑے ٹکڑے نوع انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا محبت کی زباں ہو جا
یہ ہندی وہ خراسانی یہ افغانی وہ تورانی
تو اے شرمندہء ساحل اچھل کر بیکراں ہوجا
غبار آلودہء رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے
تو اے مرغ حرم اڑنے سے پہلے پر فشاں ہو جا(۴)

اخوت اور اتحاد کی یہی مثال پیش کرتے ہوئے علامہ اقبال اسی نظم میں کہتے ہیں :

---

۱ حفیظ ملک اقبال کی شاعری میں گرونانک کا مقام ـــ اسلام اور عصر جدید دہلی، اکتوبر ۱۹۶۹ء ص ۵۳

۲ ایضاً ص ۵۷

۳ پروفیسر حفیظ ملک اقبال کی شاعری میں گرونانک کا مقام ـــ اسلام اور عصر جدید، دہلی، اکتوبر ۱۹۶۹ء ـــ ص ۵۴

۴ محمد اقبال اردو کلیات اقبال (حصہ بانگ درا) اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس، دہلی ص ۲۷۳

یہاں مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی
بتان رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی (۱)

اسلامی تعلیمات سے مماثلت کی بناء پر علامہ اقبال نے گرونانک کی ان تعلیمات کو پسند کیا ہے اور ان کے اصولوں کی قدر بھی کی ہے۔ سکھ اور مسلم دونوں الگ الگ قومیں ہیں۔ سیاسی لحاظ سے دونوں میں کشمکش رہی ہے اور دونوں نے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش بھی کی ہے مگر گرونانک کی اخلاقی تعلیمات کو مسلمان قدر کرتے ہیں اور محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

نظریاتی سطح پر برصغیر کے مسلمانوں کی اکثریت سکھوں سے تصور توحید کی بناء پر ایک روحانی رشتہ محسوس کرتی ہے۔(۲) یہ سمجھنا کہ آجکل برصغیر ہند میں سکھ اور مسلمان اجتماعی طور پر محبت کے رشتے میں منسلک ہیں، ایک خیال خام ہے۔ تاریخی حوادث اپنے پیچھے دونوں کے لئے تلخ یادیں چھوڑ گئے ہیں پھر بھی اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ آج بھی پنجاب میں بہت سے مسلمان بڑے پیار سے کہتے ہیں :

بابا نانک شاہ فقیر
سکھاں دا گرو مسلماناں دا پیر (۳)

---

۱ محمد اقبال اردو کلیات اقبال (حصہ بانگ درا) اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس دہلی، ص ۲۷۳
۲ حفیظ ملک اقبال کی شاعری میں گرونانک کا مقام ــــ اسلام اور عصر جدید دہلی، اکتوبر ۱۹۶۹ء ص ۵۴۸
۳ ایضاً ص ۵۴